پروفیسر محمد فیروز فاروقی

قبولیتِ حج کا معیار

اسلامی عبادات میں حج کو اپنی ماہیت اور کیفیت کے اعتبار سے ایک خاص اور جامع حیثیت حاصل ہے کیونکہ ایک عازمِ حج کو اس فریضے کی ادائیگی کے لیے دوسری تمام عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ مالی اور جانی قربانی اللہ کے حضور پیش کرنا پڑتی ہے۔ چونکہ اسلام نے اس فریضے کو تمام عبادات کا ایک جامع و کامل مظہر قرار دیا ہے اس لیے ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے زندگی میں کم از کم ایک بار حج کی سعادت ضرور حاصل ہو اور اس کی یہ محنت و کوشش اللہ کے حضور شرفِ قبولیت حاصل کرے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اعمال وافعال کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار نیتوں پر ہے اور اس امر کا اختیار کہ کسی کا کون سا عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور کون سا مقبول نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، لیکن ہمیں اس اجمالی اصول اور قرآن وحدیث کے واضح ارشادات کی روشنی میں اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ہماری یہ عبادتِ حج رائیگاں نہ جائے۔ غور و فکر کا یہ گوشہ ہمارے سامنے اس حقیقت کو بہترین انداز میں پیش کرتا ہے کہ ارکان و اعمالِ حج کا علم حاصل کرنے اور ان کے تقاضوں کی تکمیل کی فکر کرنے سے زیادہ توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول کی جانی چاہیے کہ ہمارا حج صحیح معنوں میں حج ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم زبردست جانی اور مالی قربانی پیش کرنے کے باوجود قبولیتِ حج کی سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہیں اور فریضۂ حج کے اعمال و ارکان ہماری حالت پر نوحہ کناں ہوں۔

قرآنِ کریم نے اعمالِ انسانی کی قبولیت کے لیے جو معیار مقرر کیا ہے اور اس باب میں ہمیں جو تعلیم دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ و ایمان میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش تمام تر اعمال —— خواہ وہ بظاہر کتنے ہی حسین اور دلآویز ہوں —— کو قبولیت کے درجے سے گرا کر ناکارہ اور بے نتیجہ بنا دیتی ہے۔ مشرکانہ عقائد و نظریات کے ساتھ اگر ایک انسان نیک کام کرے اور اللہ کی رضا جوئی میں اپنا مال و جان وغیرہ سب کچھ قربان کر دے تو بھی اللہ کے حضور اسے اس محنت و کاوش اور قربانی کا کوئی اجر نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اعمال کی قبولیت کا معیار ہے، توحیدِ خالص کے عقیدے پر پختہ ایمان و یقین۔ یہی وہ اساس اور بنیاد ہے جو

ہمارے اعمال وافعال کی درجہ بندی کرتی ہے اور ان کی قبولیت کی ضمانت مہیا کرسکتی ہے۔ اس باب میں قرآنِ پاک کی تعلیم بے حد واضح ہے۔ وہ شرک کی سخت الفاظ میں تردید کرتا اور توحید پر کاربند رہنے کی تلقین تلقین کرتا ہے۔

قرآن کی صاف اور واضح تعلیم نے اس حقیقت کو کسی ابہام وایجاز یا اختصار کے بغیر بیان کیا ہے کہ شرک کے اعمال وافعال کا ہرگز بہتر نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔ وہ برباد کیے جائیں گے، حالانکہ وہ شخص اس غلط فہمی میں مبتلا رہے گا کہ یہ اعمال اس کے کام آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں حتیٰ کہ مشرک کے لیے عام انسان تو کجا ایک مقدس نبی اور رسول بھی دعائے مغفرت نہیں کرسکتا۔ (دیکھیے سورہ توبہ ، ۱۱۳)

قرآن کریم کی واضح آیات کی روشنی میں ایک عازمِ حج کو روانہ ہونے سے پہلے اپنے عقائد و نظریات اور زندگی کا بھرپور جائزہ لینا اور اپنا احتساب کرنا چاہیے۔

ہماری بہت بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ارکانِ اسلام پر ایمان اور فرائض کی پابندی نجات کے لیے کافی ہے۔ ہم زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ شرک سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیات کا اطلاق ہمارے حالات وکوائف پر کیونکر ہوسکتا ہے؟ یہ آیات تو ڈیڑھ ہزار برس قبل کے مشرکینِ عرب کے بارے میں نازل ہوئیں جو کافر تھے۔ بتوں اور مورتیوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اللہ کے وجود کے منکر تھے، اور رسولوں پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ اس خوش فہمی بلکہ گمراہ کن غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ ہمیں دوسروں کی یہ غلط بات تو نظر آتی ہے کہ روس کے لوگ اللہ کے منکر ہیں، مذہب کے منکر ہیں، رسولوں کی بجائے کارل مارکس اور لینن کے پیروکار ہیں۔ ہندو بتوں اور مورتیوں کے پجاری ہیں۔ عیسائی تین خداؤں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہودی حضرت موسیٰ میں صفاتِ اُلوہیت کا اثبات کرتے ہیں۔ فلاں خطے کے لوگ رنگ پرست یا نسل پرست ہیں اور فلاں ملک کے لوگ وطن پرستی کو اپنا دین اور دھرم بنائے بیٹھے ہیں، لیکن ہم اپنی آنکھ کے اس شہتیر کو نہیں دیکھ پاتے کہ اسلامی معاشرے میں شرک کی قدیم وجدید صورتوں اور نظریات کی کس قدر فراوانی ہے؟ ہم زبان سے نہیں کہتے لیکن دل میں کتنے غیر اسلامی نظریات کو جگہ دیے ہوئے ہیں؟ ہم کتنے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں؟ رنگ، نسل، وطن اور اندھی عقیدت کے نہ جانے کتنے بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہیں؟ اور کس قدر اہتمام اور پابندی کے ساتھ مشرکینِ عرب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے اعمال وافعال کی قبولیت دباریابی کی آس لگائے بیٹھے

ہیں؟ ہماری گردنیں اور جبینیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ کے ساتھ ساتھ کہاں کہاں جھک کر ذلت و رسوائی آدم کی گواہی دے رہی ہیں اور ہم نے خالق و مالکِ کائنات کی صفاتِ الوہیت میں کن کن ہستیوں اور برگزیدہ شخصیتوں کو شریک کر کے الٰہ بنا لیا ہے اور طرفہ یہ کہ یحسبون انھم یحسنون صنعا کے مصداق خود "توحیدِ خالص" کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔

قرآنِ کریم نے قبل از اسلام کے عرب معاشرے کے افکار و نظریات اور مذہبی رجحانات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ مشرکین عرب مذہب پر یقین رکھتے تھے، رسولوں کو مانتے تھے، اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک، رازق و مختار تسلیم کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ ہی نے کائنات کا یہ محیر العقول نظام قائم کیا ہے، وہی ہے جو سب کچھ کرنے پر قادر ہے اور اسی کا حکم ہے جو واجب الاطاعت ہے[1] مشرکینِ عرب اپنے انداز سے عبادت کرتے، صدقات و خیرات دیتے، حج ادا کرتے اور رفاہِ عامہ کے نیک کاموں میں حصہ لیتے، غرض ایسے بعض سے اعمال بجالاتے جو ان کے ہاں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ضروری تھے۔ مشرکین کی عبادت اور حج کا ذکر تو قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ حدیثِ رسول میں اس تلبیہ کا ذکر بھی ہوا ہے جو وہ حج کے موقع پر اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ۔

اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جسے تو اختیارات عطا کر دے، اس کے ذاتی اختیار میں کچھ بھی نہیں[2]

کتبِ حدیث میں ثمامہ بن اثال کے حالتِ کفر میں عمرہ کے احرام باندھنے کا ذکر بھی صراحتاً ہوا ہے۔ بتایا

---

[1] زیرِ نظر مقالے کا دامن اس قدر وسیع نہیں کہ تمام تر متعلقہ آیات درج کی جا سکیں۔ لہٰذا اختصار کے مدِنظر متعدد آیات کی تلخیص دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ چند ایک حوالے یہ ہیں: المومنون: ۸۴ تا ۸۹ — الانفال: ۳۲ — الزمر: ۳۸ — التوبہ: ۱۹ — العنکبوت: ۶۱، ۶۳، ۶۵ — الروم: ۳۳

[2] صحیح مسلم: ۱: ۳۷۶ — مشکوٰۃ المصابیح: ۱: ۲۲۴ — اس تلبیہ کی عبارت عمرو بن لحی نامی ایک مشرک نے تیار کی تھی۔ (ابنِ کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ، ۲: ۱۸۸) اور اسی شخص نے مشرکانہ افکار و نظریات کا عربوں میں پرچار کیا۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۳۵۴)

گیا ہے کہ اس نے عمرے کا احرام باندھا لیکن عمرہ ادا نہ کر سکا ۔ اور جب یہی شخص ملت اسلامیہ کا ایک فرد بنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس کے احرام اور عمرے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ عمرہ پورا کرو ۔[۵۳] موسم حج کے دوران میں حجاج کی سہولت کی خاطر پانی اور کھانے کا انتظام کرنا قبل از اسلام کے عربوں میں ایک نہایت محبوب و مقبول فعل سمجھا جاتا تھا ۔ اہلِ عرب حلال اور حرام کی تمیز روا رکھتے تھے اور حتی المقدور کوشش کرتے کہ رزقِ حلال میں حرام کی آمیزش نہ ہونے پائے ۔ ابوجہل اور ابو وہب بن عابد نے زمانہ جاہلیت میں اعلان کیا تھا کہ مسجد الحرام کی تعمیر میں حلال و طیب آمدنی ہی صرف کی جائے گی ۔ کوئی شخص حرام کار عورتوں کی آمدنی اور سود کی رقم اور ظلم و زیادتی سے حاصل کی ہوئی دولت اس غرض کے لیے چندے میں نہ دے[۵۴] حلال و طیب چندہ اتنی مقدار میں جمع نہ ہو سکا کہ جس سے وہ ساری مسجد کے اوپر چھت ڈال سکتے ۔ مجبوراً ایک حصے کو خالی چھوڑنا پڑا جسے حجر اور حطیم کہا جاتا ہے[۵۵] یہ لوگ کعبۃ اللہ کی تعمیر اور خدمت میں ہر وقت کوشاں رہتے اور اپنے اس عمل کو بہت بڑی نیکی تصور کرتے ۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ (التوبہ : ۱۹)

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی تعمیر کرنے کے عمل کو اللہ پر ایمان لانے اور قیامت کے دن پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر خیال کرتے ہو ۔ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ اللہ کے ہاں برابر نہیں ہیں ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حجاج اور مسجد الحرام کی خدمت ایسے نیک اعمال صرف اسی صورت میں مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں، جب انسان کے دل و دماغ میں اللہ کی وحدانیت پر کامل یقین و ایمان موجزن ہو ۔ توحیدِ خالص میں شرک کی آمیزش ان اعمال کو نتیجہ مرتب کرنے سے روک دیتی ہے ۔ سورہ توبہ میں ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ○ (توبہ : ۱۷)

---

۵۳ سنن نسائی، ۱ : ۲۳ ۔ خطیب قسطلانی نے بھی مشرکین کے حج کا ذکر کیا ہے ۔ (مواہب اللدنیہ، ۲ : ۸۹)

۵۴ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری علی البخاری، ۱ : ۲۱۵، حاشیہ

۵۵ صحیح البخاری، ۱ : ۲۱۵

مشرکین کے لیے زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ (اپنے مشرکانہ عقائد و نظریات کے ساتھ) اپنے انکار (توحید) پر خود گواہی دے رہے ہیں۔ ان کے (سب) اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات و بینات سے یہی حقیقت مستفاد ہوتی ہے کہ مشرکین عرب ایجابی توحید پر ایمان رکھتے تھے اور نیک اعمال بھی بجالاتے تھے۔ وہ زبان سے یہ نہیں کہتے تھے کہ خدا دو یا تین ہیں بلکہ یہی اعلان کرتے کہ معبود ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نیک لوگوں، نبیوں اور رسولوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے تھے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت و ریاضت اور عبادت گزاری کے صلے میں ایسے اختیارات عطا کر دیے ہیں کہ یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں یا سفارش کر سکتے ہیں۔ مصائب و مشکلات میں کام آسکتے ہیں اور نفع و نقصان پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ نظریات عقیدت کا لازمی نتیجہ تھے اور ان کی بدولت توحید کے تقاضوں پر کوئی حرف نہ آتا تھا۔ عقیدۂ توحید پر ایمان بھی برقرار رہتا تھا اور بزرگوں سے عقیدت کے تقاضے بھی کما حقہٗ پورے ہو جاتے ہیں

حالانکہ یہی نظریہ دراصل ہر قسم کے شرک کی بنیاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کو مشرک قرار دیا اور واضح کر دیا کہ ان کے تمام اعمال و عبادات اکارت گئے۔ سورہ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

(کہتے ہیں کہ) ہم ان بزرگوں اور نیک لوگوں کی عبادت اور پوجا پاٹ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ: ۱۶۵)

بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ماسوا اور کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس طرح کہ ان سے ایسی محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی ایسی ہی تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ کی محبت و تعظیم ہونی چاہیے۔ ایمان والے لوگ تو سب سے زیادہ محبت صرف اور صرف اللہ سے رکھتے ہیں۔

سورہ یونس میں ہے (آیت ۱۸)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اور نیک لوگ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں مشرکین عرب کو محض بت پرست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے مشرکانہ نظریات میں وسیلے کا عملی تصور بھی موجود تھا۔ پیغمبر اسلام نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

عَنْ جُنْدَبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِہِمْ وَصَالِحِیْہِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْہَاکُمْ عَنْ ذٰلِکَ [۶]

جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں اس فعل سے تمھیں منع کرتا ہوں۔

قَالَ ابن عباس فی قولہ تعالیٰ (لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا) اِنَّ ہٰؤُلَاۗءِ کَانُوْا قَوْمًا صَالِحِیْنَ فِیْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا مَاتُوْا عَکَفُوْا عَلٰی قُبُوْرِہِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِیْلَہُمْ فَعَبَدُوْہُمْ، ثُمَّ صَارَتْ ہٰذِہِ الاوثان فِی قبائل العرب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد باری تعالیٰ (لا تذرن ..... الآیہ) کی تفسیر[۷] میں بیان کی ہے کہ ود، سواع، یغوث اور نسر وغیرہ دراصل قوم نوح کے بزرگوں اور نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ مر گئے تو ان لوگوں نے ان کی قبروں پر ڈیرہ لگایا۔ ان کی تصویریں بنا لیں اور ان کی پوجا کرنے لگے۔ پھر یہی بت عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔

فخر الدین الرازی لکھتے ہیں:

ان مشرکوں نے یہ اصنام و اوثان اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی صورتوں پر بنائے تھے۔ اور انھوں نے یہ خیال کیا تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اکابر اور بزرگ ان کے حق میں اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں

---

[۶] مشکوٰۃ۔ رواہ مسلم

[۷] صحیح بخاری، ۲: ۷۳۲ - ابن کثیر دمشقی، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۴۲۶ - جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲: ۳۵ - ابن کثیر دمشقی، ۱: ۵۰۱، ۲: ۱۹۰ - ابن قیم الجوزی، اغاثۃ اللھفان، ۱: ۱۸۴۔

اور سفارش کرتے ہیں۔ اس مشرکانہ فعل کی نظیر اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی اعتقاد کے ساتھ تعظیم کرتے ہیں کہ اس طریقے سے وہ بزرگ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں۔ [۵۸]

سید شریف جرجانی فرماتے ہیں:

عرب کے بت پرست وہ واجب الوجود خداؤں کے قائل نہ تھے اور نہ ہی یہ لوگ اوثان و اصنام کو مستقل اور ذاتی طور پر صفاتِ الوہیت سے متصف مانتے تھے۔ بلکہ انھوں نے تو انبیائے کرام اور نیک بندوں یا فرشتوں یا ستاروں کی تصویریں اور فوٹو بنا کر رکھ لیے تھے اور ان کی تعظیم کرنے لگے تاکہ اس طریقے سے الٰہ حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ [۵۹]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مزید وضاحت کرتے ہیں:

مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بڑے بڑے کاموں کی تدبیر و تنظیم کرتا ہے اور ان کاموں کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جن کے بارے میں اس نے پختہ فیصلہ کر دیا ہے، اس نے اور کسی کو بھی ان کاموں کا اختیار عطا نہیں کیا۔ لیکن تمام امور میں مشرک قومیں مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں رہیں۔ ان کا نظریہ یہ رہا ہے کہ نیک بندوں اور پارسا لوگوں نے چونکہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے اور اس کا تقرب حاصل کر لیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں الوہیت اور حاجت روائی کا درجہ دیا ہے۔ لہٰذا اب وہ اللہ کے عطا کردہ اختیارات اور علم کے تحت ہماری حاجت روائی کر سکتے ہیں اور سفارش بھی۔ [۶۰]

غیر اللہ کی عبادت سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے نام کی نماز پڑھی جائے یا اس کے نام کا روزہ رکھا جائے یا حج ادا کیا جائے بلکہ اس میں ہر وہ چیز — قول یا فعل — شامل ہے جو اللہ کے ماسوا یا اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کے لیے ایسی تعظیم و عقیدت سے عبارت ہو جو قرآن کی رو سے صرف اللہ کے لیے مختص ہے۔

حضرت عدی بن حاتم کے مشہور واقعہ سے عبادت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ممدوح جب عیسائیت کو چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور سورۂ توبہ کی آیت ۳۱ نازل ہوئی تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن نے نصاریٰ کے بارے میں یہ کیوں کہا ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور اولیا اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب قرار دے لیا ہے، حالانکہ میں عیسائی رہا ہوں، لیکن ہم نے کبھی اپنے مشائخ

---

[۵۸] فخر الدین الرازی، تفسیر کبیر، ۴ : ۸۱۸

[۵۹] سید شریف جرجانی، شرح مواقف ۲ ص ۵۰۸

[۶۰] ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ۱ : ۵۹

اور اولیا کو رب نہیں کہا اور ان کی عبادت کبھی نہیں کی تو ان حالات میں قرآن کے ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھارے علما اور اولیا نے جو چیزیں از خود حلال یا حرام قرار دی تھیں تم انھیں ویسا ہی تسلیم کرتے تھے اور ان کی ہر بات کو حجت قرار دیتے تھے؟ حضرت عدی بن حاتم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہاں ایسا ہی کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ اِيَّاهُمْ [11]

کہ یہی تو ان کی عبادت ہے۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہر عازم حج کو شعوری طور پر باور کرایا جائے کہ اس کی یہ عبادت صرف اسی صورت میں قابلِ قبول ہو سکتی ہے جب اُسے عقیدۂ توحید پر خالص ایمان ویقین کے ساتھ سرانجام دیا جائے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ اپنے اس عمل کو قبولیت کے قابل بنائے۔

فریضۂ حج کے ارکان ومناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایک ایک مرحلے کا مقصودِ اصلی اور مطلوبِ حقیقی یہ ہے کہ توحیدِ خالص کے عقیدے کا عملی اور فکری اظہار کیا جائے۔ توحید باری تعالیٰ کی اجتماعی طور سے شہادت دی جائے۔ ارکانِ حج میں بہت بڑی اہمیت کعبۃ اللہ کے طواف کو حاصل ہے۔ قرآنِ عظیم نے اس مقدس گھر کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے کس قدر خوبصورت اور جامع انداز میں مقصدِ حج پر روشنی ڈالی ہے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا ۝ (الحج: ۲۶)

اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اس گھر کی جگہ کو ٹھکانا بنایا تاکہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ (ابراہیم ۳۵)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن وامان کی جگہ بنا۔ مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی (شکل میں انسانوں کی) پرستش سے بچا۔

بالفاظِ دیگر کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کی تعمیر کا مقصد یہی تھا کہ توحید خالص کے عقیدے کو فروغ حاصل ہو اور اس شہر میں آنے والے عازمینِ حج شرک کا ارتکاب نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

---

[11] جامع ترمذی، ۲: ۱۳۶

الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بعد الیوم عریان۔

اس سال (۹ھ) کے بعد کوئی مشرک حج کے ارادے سے نہ آئے اور آج کے بعد کوئی شخص ننگا ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف نہ کرے۔

اور قرآنِ کریم نے بھی واضح طور پر مشرکانہ عقائد کے ساتھ حج پر آنے پر پابندی عائد کر دی۔ (التوبہ: ۲۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں آخری حج کے موقع پر لاکھوں انسانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! قیامت کے روز میں تمھارا امیرِ سامان ہوں گا، اور تمام اُمتوں کے درمیان اپنی امت کی کثرت (تعداد) پر فخر کروں گا، خبردار! تم شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر، مجھے (اللہ کے حضور میں) رسوا نہ کرنا۔ خبردار! میں (خدا کی مرضی سے) شفاعت کر کے بہت سے لوگوں کو دوزخ سے بچانے والا ہوں، اور ایسے بھی لوگ ہوں گے جو مجھ سے الگ کر دیے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا کہ باری تعالیٰ! یہ تو میرے امتی ہیں، مجھے ماننے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے (میرے رسول) تجھے معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے تیرے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں (بدعتیں) نکال لی تھیں۔ (اور انھیں دین کا جزو قرار دے ڈالا تھا[۱۲]

تلبیہ کے الفاظ پر غور کیجیے:

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

اے اللہ میں تیرے حضور میں حاضر ہوں۔ میری فریاد سن، تیرے در پر حاضری دینے آیا ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بے شک حمد و شکر کا تو ہی مستحق ہے۔ احسان و انعام کرنا تیرا ہی کام ہے۔ اقتدار و اختیار صرف تیرا ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں[۱۳]

حج کی مسنون دعاؤں میں بھی ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم بار بار، ہر موقع و مقام پر اور ہر مرحلے پر توحید باری تعالیٰ کا اظہار و اقرار کریں اور اللہ کے حضور عبودیت و انقیاد کے جذبے کے ساتھ پیش ہوں۔ بیت اللہ پر پہلی نظر پڑھنے کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

---

[۱۲] سنن ابن ماجہ، بروایت عبداللہ بن مسعود، صحیح البخاری، ۱: ۲۲۰، صحیح مسلم، ۱: ۳۲۵

[۱۳] صحیح البخاری، صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث۔

لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔

ہم بحیثیت مسلمان ان الفاظ کو دن میں بلامبالغہ متعدد مرتبہ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں —— پڑھتے ہیں اور نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کے صحیح مفہوم کی موثر اور جامع تفہیم کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ ان الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کو مانا جائے اور عبادات صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے کی جائیں۔

حج کی دیگر مسنون دعاؤں کے الفاظ بھی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر صورت میں عقیدۂ توحید کا اقرار و اظہار کیا جائے۔ مناسکِ حج یعنی نیت، احرام، استلام حجرِ اسود، طواف، سعی بین الصفا والمروہ، وقوفِ عرفات، رمی جمار اور قربانی میں بھی عقیدہ توحید کے اقرار و اظہار کو ایک بنیاد اور اساس کے طور پر شامل کیا گیا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ فریضہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی یاد تازہ رکھنے کی غرض سے ہم پر فرض کیا گیا ہے۔ جنھوں نے اپنے باپ کے سامنے صاف الفاظ میں عقیدۂ توحید کو بیان کیا تھا۔

سورہ الانبیا میں ہے:

اے اباجان! آپ (ان بزرگوں کی پوجا پاٹ کرکے) شیطان کی عبادت کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تمھاری پکاروں اور آوازوں کو سن سکتے ہیں نہ تمھاری فریادوں کو پورا کرسکتے ہیں، اور اس خرگ نواز باپ نے اپنے سچے بیٹے کو پتھروں سے مار مار کر ختم کر دینے کی دھمکی دے کر گھر سے نکال باہر کرنے کو کہا تھا۔

یہ ایمان افروز واقعہ ہر عازم حج کے پیشِ نظر رہنا چاہیے اور اسے علم ہونا چاہیے کہ وہ اس عظیم اور رفیع المرتبت پیغمبر حضرت ابراہیم کی سنت اور خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق فریضہ حج کے لیے اپنے خالق و مالک کے دربار میں حاضری دینے جا رہا ہے۔